سلسلہ مطبوعات ۱۹

فرد اور اجتماعیت

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

RAHIMIA LIBRARY
enabling.."ilmi ishteraak

Selected, snapped, enhanced, counter checked, published .... electronically

نام پمفلٹ:	فرد اور اجتماعیت
مؤلف:	حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
ناشر:	شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن
طبع اول:	اگست ۱۹۹۲ء
قیمت:	

فہرستِ مضامین

حرفِ اول
مادی اجسام کی دو اقسام
انسانی اجتماع کی حیثیت
امتی و قومی وحدت
اجتماعی نفع و نقصان
اخوتِ عام کا نظریہ
نظریہ وطنیت و قومیت کی دعوت
اسلام اور اخوتِ عام
اقوامِ متحدہ کی حقیقت
انسان اور تمدن

نعیمی
کتاب نمبر

حرفِ اول

گرد و پیش کے مشاہدے و مطالعہ سے دنیاوی نظام میں اجتماعی عمل کی فوقیت کی اہمیت کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں، لیکن اس کے باوجود اس دنیا میں ایسے نظریات منظر عام پر آئے جو اجتماعیت کے مقابلے میں انفرادیت کو بالادستی عطا کرتے ہیں۔ اور یہ کسی غلط فہمی سے زیادہ کج روی کا نتیجہ ہے، کیونکہ ناجائز ذرائع سے معاشرے پر اثرانداز ہونے والے طبقات نے اپنی سینہ زوری کو سپر فراہم کرنے کیلئے انفرادیت پسندی اور گروہیت پرستی کے نظریات ایجاد کئے اور یوں باقاعدہ طور پر اجتماعیت و انفرادیت کے نظریات باہمی متصادم ہوئے۔

ان نظریات کو علمی موشگافیوں سے قطع نظر اصول فطرت کے حوالہ سے جانچا اور پرکھا جائے تو یقیناً اجتماعیت کا نظریہ اپنا مقدمہ کامیابی کے ساتھ پیش کرے گا، کیونکہ یہ نظریہ انسانیت کا ترجمان ہے، جبکہ اس نظریۂ انحراف نے معاشرے کو جن مصائب و آلام میں مبتلا کیا ہے، ان کی فہرست خاصی طویل ہے، اسمیں خودغرضی، مفاد پرستی، سرمایہ پرستی، نسل پرستی، فرقہ واریت، جمود و بے شعوری، جہالت و تنگ نظری جیسے بے شمار تخریبی عناصر و عوامل سامنے آتے ہیں۔

زیر نظر پمفلٹ حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی تحریر پر مشتمل ہے، جسمیں انہوں نے فرد اور اجتماعیت کے اس کئی جہتی موضوع پر اپنے انداز سے بحث کی ہے، جسکی روشنی میں ہمیں اپنی سوچ کے خطوط درست کرنے میں کافی رہنمائی مل سکتی ہے۔

چیئرمین

فرد اور اجتماعیت

مادی اجسام کی دو اقسام

انسان کے کسی حصہ جسم میں اگر کوئی تکلیف ہو جاتی ہے تو اس کا درد صرف اسی مخصوص حصہ تک محدود نہیں رہتا بلکہ تمام "جسم" درد کی تکلیف محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور جب کبھی اس تکلیف کی انتہا موت پر ہوتی ہے تو جسم کے تمام اعضاء کی زندگی ختم ہوجاتی ہے یہ کیوں؟ اس لئے کہ جسم کے تمام اعضاء کے باہم ایسا زبردست تعلق کہ ایک مصیبت سے تمام جسم کا متاثر ہونا ضروری ہوجاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں سنگ و خشت کو لیجئے ان کے اجزاء کے درمیان کوئی رابطہ اور تعلق نہیں ہوتا اور ایک پتھر پر اگر کوئی حادثہ گذر جاتا ہے تو باقی حصہ پر اس کا مطلق اثر نہیں پڑتا حتی کہ ہم اگر ان میں سے ایک کو لے کر ریزہ ریزہ بھی کردیں تو اس کا اثر اس ایک کے علاوہ کسی دوسرے پر کچھ نہیں ہوگا۔

ان دونوں قسموں میں سے پہلی قسم مثلاً انسان، حیوان، نباتات کو "جسم عضوی" کہا جاتا ہے اور دوسری قسم مثلاً پتھر، اینٹ وغیرہ (جمادات) کو "جسم غیر عضوی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

انسانی اجتماع کی حیثیت

اب سوال یہ ہے کہ ان مادی اجسام کی طرح انسانی جماعتوں "مثلاً کنبہ، برادری، جرگہ اور قوم کے جو اجتماعی جسم ہیں وہ مسطورہ بالا ہر دو اقسام میں سے کس قسم میں شامل ہیں؟

معمولی غور و فکر کے بعد اس کا جواب ہم خود اپنے اندر سے یہ پاتے ہیں کہ اجتماعی اجسام بے شبہ "جسم عضوی" میں داخل ہیں اس لئے ان میں سے چھوٹی

سے چھوٹی جماعت کے اجزاء کی تحلیل کرنے سے یہ اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے کہ افراد جماعت کو جماعت کے ساتھ اور جماعت کو افراد جماعت کے ساتھ وہی علاقہ ہے جو جسم عضوی اور اس کے عضاء کے درمیان پایا جاتا ہے یعنی جماعت کا وجود افراد جماعت پر موقوف ہے اور افراد جماعت میں سے ہر فرد کا نفع و نقصان جماعت کے نفع و نقصان پر اثر انداز ہے اور دونوں اس طرح ایک دوسرے کے سہارے پر قائم ہیں اب اسی طرح چھوٹی جماعتوں سے درجہ بدرجہ بڑی جماعتوں تک نظر ڈالیے تو آپ خود اس کا اندازہ کرسکتے ہیں مثلاان میں سے سب سے چھوٹی جماعت "کنبہ" ہے۔ یہ والدین، اولاد اور قریبی اعزہ سے بنتی ہے ان میں سے ہر ایک فرد کا معاملہ باقی افراد کے ساتھ باہمی اعتماد پر قائم ہے اور پوری جماعت جماعتی حیثیت سے ہر فرد کی خدمت گذار ہے اور ہر فرد فرد کی حیثیت سے جماعت کا خادم ہے۔

اولاد کا کھانے، پہننے، رہنے، سہنے اور پاکی و ستھرائی میں والدین پر بھروسہ کا معاملہ تو ظاہر ہے لیکن والدین بھی اپنے بڑھاپے یا حاجت کے وقت اولاد پر بھروسہ کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کی مسرت و شادمانی کے لئے سب سے زیادہ اہمیت اور سب سے زیادہ قدر و قیمت اس "سعادت مندی" کو حاصل ہے جو اپنے متعلق وہ اولاد میں پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری محبت اور نیازمندی کیلئے دل و جان سے آمادہ ہے۔

درحقیقت زبان یا عمل کے ذریعے اولاد کا اپنے والدین کی شکر گذاری کرنا اور اعتراف محبت پدری و مادری کا ایسا ثبوت پیش کرنا کہ جس کی بدولت والدین کے دل میں بے اندازہ مسرت و شادمانی پیدا ہو، والدین کی حاجتوں اور آرزوؤں میں سب سے بڑی حاجت اور آرزو ہے۔ اور اولاد کے باہمی افراد کے تعلق کو بھی اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو ہر بچہ دوسرے بچوں پر اثر انداز اور اسی دوسرے سے متاثر پایا جائے گا اور اگر کوئی انسان شروع ہی سے اس جماعتی زندگی سے الگ

"بھونرے" میں پرورش پائے اور گوشہ گیر بنا رہے تو اس کی زندگی حیوان مطلق کی طرح "گونگی" ہوگی، کیونکہ ہر بچہ اپنے بھائی بہن (وغیرہ) ہی سے مختلف پہلوؤں میں باہمی شرکت کی تعلیم حاصل کرتا اور لینے دینے کے طریقہ کو سیکھتا ہے۔ اسے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کے ذمہ ضروری ہے کہ جب کسی سے مانگے تو کسی کو دے بھی، اور یہ کہ اپنی بعض محبوب چیزوں کو نظر انداز بھی کردے اور یہ کہ باہم ایک دوسرے کی نصرت و مدد کا طریقہ ضروری ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ اس کائنات میں عموماً قوی ضعیف کی، اور بڑا چھوٹے کی مدد کیا کرتا ہے اور جس قدر بھی جس کی قدرت اور امکان میں ہے اپنی مدد دوسروں کو پہنچاتا ہے۔

اسی طرح "کنبہ کی جماعتی حیثیت" کا معاملہ ہے اس میں بھی جسم عضوی کے امتیازات نمایاں اور روشن نظر آتے ہیں کہ اگر ایک کو بھی کوئی مضرت پہنچ جاتی ہے تو تمام اعضاء دردمند ہوجاتے ہیں۔ مثلاً ایک لڑکا بدطینت ہوجائے تو وہ سارے کنبہکو "سعادت و خوش بختی" سے محروم کردیتا ہے یا اگر باپ شرابی یا جواری ہو تو اس کی یہ بدخصلت پورے کنبہ کی زندگی پر اثرانداز ہوتی ہے اور تمام کنبہ کی معاشرت کو تنگ اور گھر کے پورے مالی و انتظامی نظام کو درہم برہم کردیتی ہے او ایک جاہل "ماں" سارے کنبہ پر اپنی جہالت کا اثر ڈالتی ہے، اسی لئے بہت سے بچے محض ماں کی جہالت کی بدولت مصیبت اور پیدائشی خرابی میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ یہی حال ان جماعتوں کا ہے جو "کنبہ" سے بڑی اور مرتبہ کے اعتبار سے اس سے زیادہ وزنی ہیں۔ مثلاً مدرسہ یہاں طلبہ، مدرسین، عملہ، یہ سب ایک "جسم عضوی" ہیں ان میں ہر شخص اپنے شخصی عمل سے مدرسہ کی عظمت کو بلند بھی کرسکتا ہے اور پست بھی کیونکہ لوگوں کے ذہنوں میں "مدرسہ کا نقشہ" یا اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے افراد کی سیرت و خصلت کے پیش نظر ہی قائم ہوسکتا ہے۔

یہی حال ایک جماعت یا گروہ کا ہے کہ اگر اس کا ایک فرد کوئی نمایاں کام

کر گزرتا اور عظیم الشان کارنامہ کر دکھاتا تو وہ ساری جماعت اور پورے "جرگہ" کی قدر و قیمت بڑھا دیتا ہے اور اس کے مرتبہ کو منزل معراج تک پہنچا دیتا ہے اور اگر ایک فرد سے بھی دنائت کا کام سرزد ہوجاتا ہے تو سارا "جرگہ" ذلیل اور پوری "جماعت" بے آبرو ہوجاتی ہے مشہور مثل ہے ایک مردہ مچھلی تمام تالاب کو گندہ کردیتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مدرسہ یا جماعت کی اصل قدر و قیمت خود اس کے افراد کے اعمال کی پونجی ہے جو ان سے صادر ہوتے رہتے ہیں۔

امتی و قومی وحدت

ان تمام اجتماعی علاقوں میں "امت یا قوم" ایک بڑا علاقہ ہے اور یہ ایسا "جسم عضوی" ہے کہ اکثر "زبان" یا "دین" ان دو اعتباروں سے اس میں وحدت کا علاقہ پیدا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان پر ایک ہی قانون نافذ ہوتا ہے اور اس کے تمام افراد نفع و نقصان میں مشترک ہوتے ہیں۔

مثلاً مصری قوم یہاں اعتدال کے ساتھ "نیل" بہتا ہے اور تمام مصری اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور سال میں ایک مرتبہ روئی کی بہترین کاشت ہوتی ہے اور وہ اچھی قیمت پر فروخت ہوتی ہے اور کاشت کاروں کو اس سے اچھی رفاہیت حاصل ہے اس لئے سارے مصر میں خوشحالی کی گرم بازاری ہے تاجر کو کاشت کاروں کے ہاتھ "مال" فروخت کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ زمیندار کو اپنے لگان وصول کرنے اور حکومت کو لگان حاصل کرنے میں کوئی دشواری حاصل نہیں ہوتی اور باہمی لین دین میں بھی خوب سہولت رہتی ہے پھر "زمیندار" اپنے لگان پر قبضہ کرنے کے بعد مکان تعمیر کرتے اور غیر آباد زمینوں کو آباد کرتے ہیں اور ان سے معمار، بڑھئی، وغیرہ اور پھر ان سے دوسرے پیشہ ور اور کاروباری آدمی فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ سلسلہ پورے ملک میں اسی طرح چلتا رہتا اور افراد ملک کو خوشحال رکھتا ہے۔

اور قوم کے فوائد اور نقصان میں مشترک ہونے کی سب سے بہتر مثال جغرافیائی مثال ہے مثلاً یہ کہ "خزان السوان" جو مصری حدود میں ایک "مقام" (ڈیم) ہے وہ اہل مصر کی فلاح و بہبود میں بہت زیادہ اثر انداز ہے اہل مصر کو جس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے یہیں سے حسبِ حاجت تمام اطراف و اکناف کو پانی ملتا ہے اب اگر یہ منہدم ہوجائے اور کام نہ دے تو تمام مصری علاقہ کو سخت نقصان پہنچ جائے۔ اسی طرح بڑے مدارس، کالج و یونیورسٹی جو قاہرہ میں قائم ہیں وہ فقط قاہرہ کے فائدہ ہی کے لئے نہیں قائم کئے گئے بلکہ تمام مصری قوم کے نفع کے لئے ہیں اور ان میں تمام مصر کے بچے تعلیم پانے آتے ہیں۔ تم اس سلسلہ میں "مزدوروں" کی مجالس ہی کو دیکھو مثلاً ریلوے ملازم یونین، مل مزدور یونین وغیرہ کہ یہ جب کسی بات پر ہڑتال کردیتے ہیں تو اس وقت کتنے کام معطل ہوجاتے اور کس قدر مخلوق نقصان میں پڑجاتی ہے؟

اجتماعی نفع و نقصان

اس گذشتہ مثال میں یہ بھی کہہ دینا بے جا نہ ہوگا کہ امت یا قوم کو اپنے افراد کی بہت بڑی تعداد سے اس وقت سخت سے سخت نقصان بھی پہنچ جاتا ہے جب کہ وہ فضول کاموں میں مشغول رہتے گندہ و بودار کوچہ و گلی میں آباد ہوتے ہیں جہاں نہ صاف ہوا کا گذر ہے اور نہ سورج کی شعاعیں اس کی خراب فضا کو صاف کرتی ہیں اور اس بناء پر ان کی تندرستیاں خراب اور عمریں کم ہوجاتی ہیں اور بیچارگی اور ناکردگی ان پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ وہ اپنے کاموں کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے اور ان میں کا اکثر حصہ قوم کے لئے "بار" ہوجاتا ہے۔ در اصل ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک مریض اور عاجز عضو زندہ جسم میں خرابی پیدا کردیتا ہے نیز جس قوم میں شرابی، جواری یا جاہل زیادہ ہوں اس قوم کے "قوی جسم" کو ہرگز ہرگز صحیح اور تندرست نہیں کہا جاسکتا، اور وہ ہر وقت خطرہ میں گرفتار ہے کیونکہ

جس طرح جسم کا ہر عضو اس کو فائدہ یا نقصان پہنچاتا ہے قوم اور امت کا جسم ؛
اپنے افراد سے اسی طرح نفع و نقصان حاصل کرتا ہے مثلاً طلبہ اپنی قوم کے مال ا
اسکی جد وجہد سے اس لئے فائدہ اٹھاتے ہیں کہ کل ان کے علم و عمل سے ان
قوم فائدہ اٹھائے گی اور یہی حال تمام کارکنوں کا ہے۔ مدرسین، تاجر، کاشت کا
بڑھئی وغیرہ سب قوم کے اجزاء ہیں جو اس کے جسم کو بناتے اور سنوارتے ہیں
اور قوم کے عضو کا ہر فرد قوم کے نفع و نقصان پر اثر انداز ہے پس ایک اچھا است
اپنے تمام شاگردوں میں اخلاق صالح کی روح پھونک دیتا اور نیکی سے قریب تر کرد
ہے اور پھر ان کی تقلید دوسرے کرتے ہیں۔

اسی طرح منصف حاکم لوگوں میں انصاف پھیلاتا ہے اور لوگ اپنے حقوق
کے بارہ میں مطمئن نظر آتے ہیں اور صاحب حق کو یہ یقین رہتا ہے کہ وہ اپنی دا
رسی کو ضرور پہنچے گا اور مجرم جرم کی سزاؤں کا خیال کرکے جرم پر جرأت کر
سے باز رہے گا اور ہر ایک کاروباری اپنے کام میں زیادہ سے زیادہ محنت اس تو
پر کرے گا کہ اس کو اس کی محنت کا صلہ خاطر خواہ ملے گا اور اگر کسی نے بھی اس
کے حق کو غصب کیا تو حاکم اس کی جانب سے کفیل موجود ہے۔ اس کے برعکس
اسی طرح برے استاد اور راشی حاکم کے معاملہ کو دیکھئے غرض انسان کسی طرح اثر
سے خالی نہیں ہے خواہ ہماری آنکھیں اس کو نہ دیکھ سکیں تم ایک بال کے سایہ
کو نہیں دیکھتے اگرچہ وہ ضرور ہوتا ہے لیکن اگر اسی کے ساتھ چند بال اور جمع کرکے
دیکھو تو پھر سایہ صاف نمایاں نظر آنے لگتا ہے۔ اور یہ اثر انسان کے اچھے اور
برے اعمال کے مختلف درجات کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اور قوم کی ترقی کا
"پیمانہ" اس کے افراد کے مجموعہ اعمال کے اعتبار ہی سے بنتا ہے۔

اخوت عام کا نظریہ

علم کے اس دور آخر میں تو علماء کی بحث و فکر ترقی وکمال کے اس درجہ
معراج تک پہنچ گئی ہے کہ اب ان کی وسعتِ نظر نے "اخوتِ عام" کے نظریہ کو

ضروری قرار دے دیا ہے یعنی ان کے نزدیک "تمام عالم انسانی" جنس، رنگ و روپ، بول چال اور مذہب کے اختلاف کے باوجود ایک ہی جسم عضوی "انسانیت" کے افراد و اعضاء ہیں اسی لئے ہر ایک قوم، دوسری اقوام پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور صنعت و حرفت، تجارت معارف و علوم اور اخلاق میں ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہتی ہے۔ اب خود غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے "فلاح و بہبود کے مختلف اسباب" کائنات کے صرف ایک ہی حصہ کو عطا نہیں فرما دیے بلکہ ان کو مختلف حصوں میں تقسیم کردیا ہے مثلاً ایک حصہ اگر خام اجناس کیلئے مالدار بنایا ہے تو "کانوں" کے لئے دوسرے حصہ کو اس طرح ایک معادن کی فراوانی رکھتا ہے تو خام اجناس میں دوسروں کا محتاج ہے اور اگر دوسرا خام اجناس کی بہتات کا مالک ہے تو معاون سے استفادہ کیلئے دوسروں کا دست نگر۔ بہرحال ہر ایک خطہ دوسری قوم اور خطہ سے فائدہ اٹھاتے بھی ہیں اور فائدہ پہنچاتے بھی ہیں ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

"شہری ہو یا دیہاتی "انسان" انسان کے لئے بنایا گیا ہے خواہ کسی کو اس کی خبر بھی نہ ہو مگر ہر ایک دوسرے کا خدمت گذار ہے"

جنگ عمومی میں کس نے نہیں دیکھا کہ ہر ایک قوم خواہ وہ غیر جانبدار ہو یا برسرپیکار سخت دشواری و تنگی میں اس لئے مبتلا تھی کہ ہر ایک کو دوسری اقوام کے یہاں کی خبروں کی احتیاج رہتی تھی اور جنگ کی وجہ سے ان کی درآمد و برآمد آسانی کے ساتھ ناممکن ہوگئی تھی۔ اسی حقیقت نے کہ "جنس بشری ایک جسم ہے اور اقوام میں سے ہر قوم اس کا عضو" جنگ کے نظریہ پر بحث کرنے والے علماء کے دماغ میں یہ یقین پیدا کردیا ہے کہ "جنگ" کامیاب حربہ نہیں ہے کیونکہ اگر جسم کے ایک عضو کو معمول بنا کر دوسرے عضو کی نشوونما کرنا چاہیں تو ہمارا عمل ناکام ثابت ہوگا اسی طرح جنس بشری کے اس جسم کے عضو کو ترقی دینے کیلئے دوسرے عضو کو تباہ کرنا غلط طریق عمل ہے۔ علماء کی یہ جماعت ہر وقت

اس آرزو میں لگی رہتی ہے کہ اقوام کے درمیان سے مخالفانہ اور محاربانہ جذبہ جاتا رہے تاکہ جنگ کے امکانات باقی ہی نہ رہیں، اور اس کیلئے انہوں نے ایک مجلس کی طرح ڈالی ہوئی ہے جو قوموں کے درمیان اسی طرح "باہمی قضایا کو فیصل کرے جس طرح "محکمے افراد کے قضایا کو فیصل کرتے ہیں" یہی وہ مجلس ہے جو "مجلس اقوام" کے نام سے موسوم ہے ان اہل نظر کا یہ خیال ہے کہ اقوام کے درمیان خصائل و عادات کا طبعی اختلاف ان کے درمیان الفت و محبت پیدا کرنے کے لئے مانع نہیں ہے جس طرح ایک کنبہ کے افراد میں مرد و عورت اور تند و نرم ہونا ان کی "یکتائی" اور ان کے "جسم واحد" ہونے کے منافی نہیں ہے۔

نظریہ وطنیت و قومیت کی دعوت

باایں ہمہ یہ ارباب نظر باوجود اس نظریہ کے تسلیم کرلینے کے کہ "تمام انسان بمنزلہ جسم واحد ہیں پھر قوموں کو "وطنیت اور قومیت" کے نظریہ کی دعوت دیتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک "اقوام" اصل حقیقت سے جدا رہ کر وطنیت و قومیت کی دعوت دیتی رہیں گی، اس وقت تک کسی ایک قوم کا اپنی وطنیت یا قومیت کو فنا کردینا خود اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دینا ہے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اول تمام قومیں اصل حقیقت کو سمجھ لیں اور پھر متحد ہو کر ہمیشہ کے لئے اس جذبہ "وطنیت و قومیت" کو ختم کردیں۔

اسلام اور اخوت عام

مذہبی جانب داری سے الگ ہو کر تاریخ ماضی کے صفحات شاہد ہیں کہ "اخوت عام" کا جو نظریہ آج جدید علمی اکتشافات اور وسعت نظر کا مرہون منت بتایا جاتا ہے وہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ایک انقلاب آفریں پیغام "اسلام" کے ذریعہ دنیا کے سامنے آچکا ہے اور اس کے علمی دلائل (دلائل قرآنی و حدیثی) کا عملی

زندگی میں بھی بہترین مظاہرہ کیا جاچکا ہے۔ اس نے عام فلاح و بہبود کو جغرافیائی، لسانی اور نسلی حدود میں محدود نہیں رکھا اور اعلان کیا کہ جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے اس میں تمام انواع انسانی مساوی ہیں۔ تمام انسان عام انسانی حقوق میں برابر ہیں (حدیث) جو انسانوں کے ساتھ رحم کا برتاؤ نہیں کرتا اللہ تعالی بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری)

اس نے قومیت وطنیت کے ان خدوخال کو تسلیم نہیں کیا جو یورپ کے نظریہ قومیت سے موسوم ہے اس لئے کہ یہ عام خدمت انسانی کے جذبات کو فنا کرتا اور استحصال منافع اور معاشی دستبرد کی خاطر ملکوں اور قوموں کے درمیان نفرت و عداوت اور جنگ و جدل کی طرح ڈالتا ہے۔ اسی لئے اس کے "عالمگیر برادری" کے نظریہ کا اسلوبِ دعوت اور طریق پیغام اس جدید نظریہ "اخوت عام" سے جدا ہے وہ انسانی اخوت و مساوات کے لئے اعتقاد اور نظام عمل کا ایک مکمل نقشہ پیش کرتا اور تمام دنیا انسانی کو ایک سلک میں منسلک ہوجانے کی دعوت دیتا ہے گویا تمام عالم کو ایک نئے انقلاب میں ڈال کر بغض و حسد، بد عملی و بد کرداری جیسے اجتماعی امراض کا قلع قمع کرتا ہے۔ اس کی اخلاقی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ "عالمگیر اخوت" کے پیغام کے لئے "مکارم اخلاق" اور روشن دلائل بہترین اسلحہ ہیں اور یہ کہ "مادی جدل و پیکار" سے یہ مقصد عظیم حاصل نہیں ہوسکتا تاہم وہ اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ اس پیغام حق کے لئے جب فتنہ پرور فتنہ پردازیاں کرکے سد راہ بن جائیں اور تمام ذرائع امن و صلح ان کے افہام و تفہیم میں بیکار اور کند ثابت ہوں تو جس طرح جذام زدہ عضو کو تراش کر جسم انسانی کے باقی اعضاء کو محفوظ کرنا ضروری ہے اسی طرح وحدت اجتماعی کے جسم کے اس فاسد عضو کو "جہاد" کے ذریعہ کاٹ ڈالنا واجب ہے۔ "اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑتے رہو تا آنکہ فتنہ فساد کی جڑ کٹ جائے اور دین سب کا سب اللہ کے واسطے ہی رہ جائے (یعنی اغراض بے جا کی فتنہ سامانی اس کے درمیان حائل نہ ہوسکے) (انفال) اور جب یہ صورت حال باقی نہ رہے

تو پھر "امن و آشتی" ہی اصل مقصد ہے۔ اس کی تعلیم میں یہ سب سے بڑا گنا ہے کہ ذاتی مفاد استحصال بالجبر اور جوع الارض کی خاطر حاکمانہ اقتدار کی خاطر ایک قوم، دوسری قوم کو اپنا "رزق" اور "نصیب" سمجھے۔

اقوام متحدہ کی حقیقت

رہا یورپ کے جدید نظریہ "اخوت عام" کی تعلیم کے لئے "مجلس اقوام" کا قیام تو اہل نظر کی نظر میں چند جابرانہ طاقتوں نے مفاد ذاتی اور ضعیف اقوام کو ہضم کرنے کے لئے اس کو قائم کیا ہے اور یہی اس کی عملی زندگی کا نقشہ ہے اور موجودہ یورپ کے جنگی حالات اسی کے شاہد عدل ہیں یہ صحیح نہیں ہے کہ ان معاملات کی بنیاد فلسفہ اخوت عام پر قائم ہے بلکہ اس کی تہہ میں صرف ذاتی جذبہ ضرورت اور حاجت کام کر رہا ہے۔ "جماعتوں" اور "افراد" کے درمیان جو نسبت ہے (یعنی جسم اور اعضاء جسم کی سی نسبت) اس کا حال آپ گذشتہ اوراق میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ انسان نہ صرف کسی ایک بلکہ بہت سے روابط کے ساتھ ناگزیر طور پر مربوط ہے اور اس طرح وہ اپنے کنبہ کا بھی عضو ہے، شہر و قریہ کا بھی، قوم کا بھی فرد ہے اور پھر تمام انسانی دنیا کا بھی۔

انسان اور تمدن

علماء عقل کا اسی میں اختلاف رہا ہے کہ انسان اپنی جبلت و خلقت سے "مدنی الطبع" ہے یا اس کا ایثار ہے کہ اس نے اپنی مرضی سے بعض ذاتی حقوق اور شخصی آزادی کو دوسروں کے مفاد پر قربان کر دیا ہے۔ اس طرح جماعتی زندگی اختیار کر دیا ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ اپنی مستقل زندگی اور مستقل معیشت رکھتا ہے وہ اپنے ہی لیے جیتا ہے اور اپنے ہی لیے جدوجہد میں مصروف رہتا ہے لیکن یہ سوچتے اور دیکھتے ہوئے کہ اس کی زندگی کی تکمیل ذاتی و شخصی زندگی سے اتر کر جماعتی زندگی سے ہو سکتی ہے اس نے اپنی مرضی سے اجتماعی زندگی کا

اور اپنا منظور کرلیا تاکہ فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا لطف اٹھا سکے۔

دوسری جماعت کا یقین ہے کہ انسان اپنی فطرت میں جماعتی زندگی کا محتاج ہے۔ اور بغیر اجتماعیت کے اس کی زندگی ناممکن ہے ہر دو آراء میں سے کسی ایک کی ترجیح کا اگرچہ یہاں موقعہ نہیں ہے تاہم یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانیت کی تاریخ اس کی شاہد ہے کہ انسان قدیم سے ''مدنی الطبع'' اور ''جماعتی زندگی کا خوگر'' ہے اور ہر ایک فرد انسان دوسروں کی زندگی پر اثر انداز بھی ہے اور اس سے متاثر بھی۔ نیز ''فرد'' اپنی ہر متعلقہ شے مثلاً خوراک، لباس، مکان، علم اور اخلاق میں جماعت کا محتاج نظر آتا ہے اور اگر اس سے وہ تمام علائق حذف کردیئے جائیں جو جماعت کی بدولت اس کو حاصل ہوتے ہیں تو پھر اس کے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا بلکہ اس کا جسم عقل اور خلق جیسے اہم عطیات بھی خالق کائنات نے اس کو جماعتی علائق کے لئے ہی عطا فرمائے ہیں اور یہ سب جماعتی زندگی ہی کے اثرات ہیں اور یقیناً ابن طفیل نے اپنے رسالہ ''حی بن یقظان'' میں بہت سخت غلطی کی ہے جو یہ بیان کیا کہ:

حی نے فکر و غور کے ذریعہ کائنات کے بھید خود بخود معلوم کئے اور الہیات کے باریک مسائل کو بذات خود حل کرلیا۔

ابن طفیل نے یہ خیال نہ کیا کہ یہ ''مسائل'' بغیر سیکھے نہیں آسکتے اور تعلیم و تعلم ''اجتماعی زندگی'' کے بغیر ناممکن ہے بعینہ اسی غلطی میں ''ڈیفو'' اپنی کتاب ''روبنسن کروسو'' میں مبتلا ہوا اور سخت ٹھوکر کھائی اس لئے کہ جس طرح ایک عضو جب جسم سے کٹ کر الگ ہوجاتا ہے تو بے جان ہوجاتا ہے مثلاً ہاتھ کا جسم سے الگ ہوجانا یا پتہ کا درخت سے جدا ہوجانا اسی طرح انسان جب اپنی جماعت (اجتماعیت) سے الگ ہوجاتا ہے تو فنا ہوجاتا ہے اور اس کی کوئی قیمت نہیں رہتی کیونکہ انسان کے اعمال، اغراض، اور عادات کی ''جماعتی زندگی'' کے بغیر کوئی قیمت ہی نہیں ہے۔ بنا بریں ''سچائی'' کا خیر ہونا اور جھوٹ کا شر ہونا اس

وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا جبتک کہ وہ ایسے انسان سے وابستہ نہ ہو جو جماعتی زندگی بسر کرتا ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر کوئی خیر "خیر" نہیں اور کوئی شر "شر" نہیں ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ گھری نظر سے ہم کام لیں تو ہم کو یہ معلوم ہوجائے گا کہ اگر انسان "جماعتی زندگی" سے الگ رہنا بھی چاہے تو یہ اس کے امکان سے باہر ہے اور اگر وہ اسکا قصد کرے تو "موت اور زندگی" کے لئے جو امداد اس کو جماعتی زندگی سے حاصل ہو سکتی تھی اس سے وہ قطعاً محروم ہوجائے گا فرد پر جماعت کی فضیلت کے لئے یہ مختصر مگر شافی بحث حقیقت کی آئینہ دار ہے اور ان دونوں کے باہمی روابط و علائق کی تفصیل کی ذمہ دار لہذا افراد کیلئے از بس ضروری ہے کہ وہ جماعت کی فلاح و خیر کی سعی میں تا بہ مقدور گامزن رہیں اور اس کے احسانات کا نعم البدل دینے کے لئے ہمہ تن سرگرم عمل بنیں۔